صدقۂ فطر احکام ومسائل

مصنف

حضرت مولانا مفتی محمد شعیب اللہ خان صاحب مفتاحی

(بانی ومہتمم جامعہ اسلامیہ مسیح العلوم، بنگلور)

شعبۂ تحقیق واشاعت

Jamia Islamia Maseehul Uloom, Bangalore

K.S. Halli, Post Kannur Village, Bidara Halli Hobli, Baglur Main Road, Bangalore - 562149

H.O # 84, Armstrong Road, Mohalla Baidwadi, Bharthi Nagar, Bangalore - 560 001

Mobile : 9916510036 / 9036701512 / 9036708149

فہرست صدقۂ فطر — احکام ومسائل

صدقۂ فطر — احکام و مسائل

باسمہ تعالیٰ

صدقۂ فطر ــــ احکام ومسائل

اسلام میں مختلف قسم کے صدقات کا حکم دیا گیا ہے اور ان میں سے ایک صدقۂ فطر بھی ہے،جس کا عید الفطر کے مبارک ومسعود موقعہ پر دینا مشروع ہے۔اس مختصر تحریر میں اسی تعلیم وحکم کے مختلف پہلو اور اس کے احکام ومسائل پر روشنی ڈالی جائے گی۔

صدقۂ فطر اور قرآن کریم

صدقۂ فطر اسلام کا ایک ایسا حکم ہے، جس سے شاید ہی کوئی ناواقف ہو،اس کی مشروعیت قرآن وحدیث سے ثابت ہے،قرآن کریم میں فرمایا گیا:﴿ قَدْاَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى ﴾(وہ کامیاب ہوگیا جس نے زکوۃ دی) [الاعلی]

اس آیت کی تفسیر میں متعدد اقوال مذکور ومنقول ہیں:ان میں سے ایک یہ ہے کہ یہاں زکوۃ سے صدقۂ فطر مراد ہے۔امام بزار نے بطریق عمرو بن عوفؓ نبی کریم ﷺ سے حدیث نقل کی ہے کہ آپ نماز عید سے قبل صدقۂ فطر کا حکم دیتے تھے اور دلیل میں اسی آیت کی تلاوت فرماتے تھے، حضرت ابن عمرؓ کے بارے میں منقول ہے کہ آپ عید میں جانے سے پہلے صدقۂ فطر دیتے تھے اور اسی آیت کو دلیل میں پیش فرماتے۔(۱)

(۱)الاکلیل فی استنباط التنزیل:۲۲۱

حضرت علی، حضرت ابوسعید خدری، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہم کا یہی قول ہے، اور تابعین میں سے ابن سیرین، ابوالعالیہ، قتادہ، اور حضرت عطا کی یہی رائے ہے۔(۱)

اس سے معلوم ہوا کہ اس آیت میں (ایک قول کے مطابق)" تزکی " کا مطلب ہے صدقۂ فطر ادا کرنا، معلوم ہوا کہ صدقۂ فطر کی مشروعیت قرآن مجید سے بھی ثابت ہے۔

صدقۂ فطر احادیث میں

اور احادیث تو اس سلسلہ میں بہت سی آئی ہیں، بطور نمونہ چند درج کرتا ہوں:

(۱) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ : " فَرَضَ رَسُوْلُ اللّٰه ﷺ زَكَاةَ الفِطْرِ صَاعاً مِن تَمرٍ أو صَاعاً مِن شَعِيرٍ عَلَى العَبْدِ وَالْحُرِّ وَالذَّكَرِوَالأُنْثٰى وَالصَّغِيرِ وَالْكَبِير مِنَ الْمُسْلِمِينَ "(رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں میں سے ہر غلام و آزاد، مرد و عورت، بچے اور بوڑھے پر ایک صاع جو یا ایک صاع کھجور، صدقۂ فطر میں دینا فرض قرار دیا ہے)۔(۲)

(۲) حضرت ابن عمر ہی سے روایت ہے کہ :"أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ أَمَرَ بِإِخْرَاجِ زَكَاةِ الفِطْرِ أَنْ تُؤَدّٰى قَبْلَ خُرُوْجِ النَّاسِ إِلَى الصَّلاةِ"

(رسول اللہ ﷺ نے ہمیں عید کی نماز کو نکلنے سے پہلے صدقۂ فطر ادا کرنے کا حکم فرمایا ہے)(۳)

---

(۱)روح المعانی:۱۲۶/۳۰، قرطبی:۲۱/۲۰(۲) بخاری: ۲۰۴/۱، رقم: ۱۴۳۲، مسلم:۳۱۷/۱،رقم :۹۸۴،و۹۸۶،ابوداؤد:۱۶۱۱،نسائی:۲۵۰۴،صحیح ابن خزیمہ:۸۷/۴وغیرہ (۳) بخاری:۲۰۴/۱،رقم : ۱۴۳۸،مسلم:۳۱۸/۱،رقم:۹۸۶،ابوداؤد:۱۶۱۰،نسائی:۲۵۲۱،احمد:۱۵۴/۲

(۳) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے اپنی بصرہ کے امارت کے دور میں، ایک بار رمضان کے اخیر ایام میں فرمایا کہ اپنے روزوں کی زکوۃ نکالو، یہ سن کر لوگ ایک دوسرے کو دیکھنے لگے (کہ یہ روزوں کی زکوۃ کیا ہوتی ہے) حضرت ابن عباس نے فرمایا کہ یہاں اہل مدینہ میں سے جو لوگ ہیں وہ کھڑے ہوں اور اپنے بھائیوں کو تعلیم دیں، یہ لوگ نہیں جانتے کہ یہ زکوۃ (صدقۂ فطر) اللہ کے رسول علیہ السلام نے ہر مردوعورت اور آزادوغلام پر ایک صاع جو یا کھجور یا آدھا صاع گیہوں فرض قرار دیا ہے۔(۱)

(۴) حضرت ثعلبہ بن صعیرؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ خطبہ دیتے ہوئے کھڑے ہوئے اور صدقۂ فطر ایک صاع کھجور یا ایک صاع جو ہر ایک فرد کی جانب سے دینے کا حکم فرمایا، اس کے راوی علی نے اس میں یہ بھی کہا کہ ایک صاع گیہوں دو فرد کی جانب سے بڑے و بچے، آزادوغلام کی جانب سے دینے کا حکم فرمایا۔(۲)

(۵) حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ: " فَرَضَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ صَدَقَةَ الْفِطْرِ صَاعًا مِنْ شَعِيْرٍ ، أَوْ صَاعاً مِنْ تَمَرٍ أَوْ صَاعاً مِنْ أَقِطٍ "(ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے صدقۂ فطر میں ایک صاع جو یا ایک صاع کھجور یا ایک صاع پنیر مشروع کیا ہے)(۳)

ان احادیث سے واضح ہوتا ہے کہ حضرت نبی کریم ﷺ نے صدقۂ فطر کو ہر مسلمان پر لازم وضروری قرار دیا ہے۔

صدقۂ فطر کا فقہی حکم

صدقۂ فطر کا فقہی حکم کیا ہے، اس کے بارے میں کتابوں میں وضاحت ہے

(۱) نسائی: ۱/۳۴۷، رقم: ۲۵۰۸، ابوداؤد: ۱/۲۲۹، رقم: ۱۶۲۲ (۲) ابوداؤد: ۱۶۲۰ (۳) نسائی: ۲۵۱۱

کہ جمہور علماء نے صدقۂ فطر کو لازم وضروری قرار دیا ہے۔

علامہ ابن قدامہ حنبلی نے امام ابن المنذ ر کے حوالے سے لکھا ہے کہ انھوں نے کہا کہ:

"أجمع كل من نحفظ عنه من أهل العلم على أن صدقة الفطر فرض، وقال اسحاق : هو كالإجماع من أهل العلم ، وزعم ابن عبد البر: أن بعض المتأخرين من أصحاب مالك و داؤد يقولون هي سنة مؤكدة ، وسائر العلماء على أنها واجبة "(اہل علم جن سے ہم نے علم کو محفوظ کیا ہے ان سب کا اجماع ہے کہ صدقۂ فطر فرض ہے اور امام اسحاق نے کہا کہ یہ گویا اہل علم کا اجماع ہے، اور ابن عبدالبر نے گمان کیا ہے کہ امام مالک اور امام داؤد کے اصحاب میں سے بعض متأخرین کہتے ہیں کہ یہ سنت مؤکدہ ہے اور دیگر تمام علماء اس بات پر قائم ہیں کہ یہ واجب ہے)(۱)

اور مشہور شافعی امام علامہ نووی نے شرح مہذب میں کہا کہ:

" وزكاة الفطرواجبة عندنا و عند جماهير العلماء ،وحكى صاحب البيان وغيره عن ابن اللبان من أصحابنا أنها سنة وليست بواجبة ،وقال ابوحنيفة : هي واجبة و ليست بفريضة"(صدقۂ فطر ہمارے نزدیک اور جمہور علماء کے نزدیک واجب ہے، اور صاحب بیان وغیرہ نے ہمارے اصحاب میں سے ابن اللبان سے نقل کیا ہے کہ صدقہ فطر سنت مؤکدہ ہے ،واجب نہیں ہے اور ابوحنیفہ نے کہا کہ یہ واجب ہے اور فرض نہیں ہے)(۲)

اور علامہ ابن عبدالبر مالکی نے فرمایا کہ:

"وذكر أبو التمام قال : قال مالك: زكاة الفطر واجبة ، وبه قال

(۱)المغنی:۲/۳۵۱(۲)المجموع شرح المهذب:۶/۸۵

أهل العلم كلهم إلا بعض أهل العراق ، فإنه قال : سنة مؤكدة ، قال أبوعمر : اختلف المتأخرون من أصحاب مالك في هذه المسئلة ، فقال بعضهم : هي سنة مؤكدة ، وقال بعضهم : هي فرض واجب، وممن ذهب إلى مذاهبهم أصبغ بن الفرج ، وكذلك اختلف أصحاب داوٗد بن على فيها أيضاً على قولين : أحدهما أنها فرض واجب والآخر أنها سنة مؤكدة ، وسائر العلماء على أنها واجبة"

(ابوالتمام نے کہا کہ امام مالک نے فرمایا کہ صدقۂ فطر واجب ہے اور یہی تمام اہل علم کا قول ہے ،سوائے بعض اہل عراق کے کہ انھوں نے کہا کہ یہ سنت مؤکدہ ہے،ابوعمر کہتا ہے کہ امام مالک کے اصحاب میں سے متأخرین نے اس مسئلہ میں اختلاف کیا ہے ،بعض نے کہا کہ یہ سنت مؤکدہ ہے اور بعض نے کہا کہ فرض واجب ہے،اوران مذاھب کی طرف جولوگ گئے ہیں ان میں سے اصبغ بن الفرج بھی ہیں،اسی طرح اس میں داؤد بن علی کے اصحاب نے بھی دوقولوں پر اختلاف کیا ہے: ایک یہ کہ یہ فرض واجب ہے اور دوسرا یہ کہ سنت مؤکدہ ہے،لیکن دیگر تمام علماء اس بات پر ہیں کہ یہ واجب ہے)(۱)

اس سے معلوم ہوا کہ جمہور علماء کے نزدیک جن میں ائمہ اربعہ بھی ہیں، صدقۂ فطر لازم وضروری ہے ۔البتہ اس میں بحث کی گئی ہے کہ اس کا فقہی حکم کیا ہے؟ ائمہ ثلاثہ (امام شافعی، امام مالک، امام احمد رحمہم اللہ) اور جمہور علماء نے اس کو فرض قرار دیا ہے۔نیز امام بخاری نے حضرت عطاء، حضرت ابن سیرین اورحضرت ابوالعالیہ سے بھی اس کی فرضیت نقل کی ہے،اور فتح الباری میں ابن حجر نے لکھا ہے کہ ابن منیر وغیرہ نے اس کی فرضیت پر اجماع نقل کیا ہے۔(۲)

(۱)تمہید ابن عبدالبر:۳۲۳/۱۴(۲)فتح الباری:۳۶۷/۳

امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک صدقۂ فطر واجب ہے، جیسا کہ فقہ حنفی کی کتب میں مصرح ہے، مگر ان دونوں اقوال میں حقیقت میں کوئی تعارض نہیں ہے؛ کیوں کہ عام طور پر واجب پر فرض کا اطلاق کر دیا جاتا ہے اور احناف اس سلسلہ میں احتیاط برتتے ہیں؛ کیوں کہ فرض وہ ہے جو دلیل قطعی سے ثابت ہو، اور جو دلیل ظنی سے ثابت ہو وہ واجب کہلاتا ہے ، جبکہ وجوب کے آثار پائے جائیں۔اور صدقۂ فطر کا ثبوت یا تو آیت سے ہے جو ثبوتاً تو قطعی ہے، مگر دلالۃً ظنی ہے، یا حدیث سے ہے جو دلالۃً تو قطعی ہے مگر ثبوتاً ظنی ہے ۔لہٰذا ایسی دلیل سے واجب ثابت ہوتا ہے۔

چنانچہ علامہ ابن نجیم نے اس کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ:

''صدقۂ فطر واجب ہے، اور اس سے مراد وہ وجوب ہے جو ہماری اصطلاح میں رائج ہے، اگر چہ کہ حدیث میں ''**فَرَضَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ زَکَاۃَ الفِطْرِ**'' کے الفاظ وارد ہوئے ہیں؛ کیونکہ اس کے معنی یہ ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے وجوبی حکم دیا، اور جو حکم دلیل ظنی سے ثابت ہو وہ صرف وجوب کا فائدہ دیتا ہے۔(۱)

اور امام نووی نے بھی اس کا ذکر کیا ہے، وہ کہتے ہیں کہ:

"وقال أبو حنيفة : هي واجبةٌ و ليستُ بفريضةٍ بناءً على أصله أَنَّ الواجبَ ما ثَبَتَ بِدليل ظنّي ، والفرض ما ثَبَتَ بدليل مَقْطُوع ، ومذهبنا أنه لا فرق و تُسَمّى واجبةً و فرضاً " (اور امام ابوحنیفہ نے کہا کہ یہ صدقہ فطر واجب ہے، فرض نہیں، ان کے اس اصول کی بنا پر کہ واجب وہ ہے جو دلیل ظنی سے ثابت ہو اور فرض وہ ہے جو دلیل قطعی سے ثابت ہو، مگر ہمارے یعنی شوافع کے نزدیک دونوں میں کوئی فرق نہیں، اور اس کو واجب و فرض دونوں نام رکھے جاتے ہیں)(۲)

---

(۱) البحر الرائق:۲/۲۷۰(۲) المجموع:۶/۸۵

اس سے معلوم ہوا کہ یہ صرف لفظی اختلاف ہے، حقیقت میں کوئی اختلاف نہیں، سب کے نزدیک صدقۂ فطر لازم وضروری ہے خواہ اس کا نام آپ واجب رکھئے یا فرض کے نام سے یاد کیجئے۔

کیا صدقہ فطر کا حکم منسوخ ہے؟

بعض علماء کا یہ خیال ہے کہ صدقۂ فطر کا وجوب منسوخ ہوگیا۔ ابراہیم بن علیہ اور ابوبکر بن کیسان کا یہی قول ہے، ان حضرات نے قیس بن سعد بن عبادۃ کی حدیث سے استدلال کیا ہے، وہ حدیث یہ ہے کہ حضرت قیس بن سعد نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں زکوۃ کا حکم نازل ہونے سے پہلے صدقۂ فطر کا حکم دیا تھا، جب زکوۃ کا حکم نازل ہوگیا تو ہمیں نہ اس کا حکم دیا اور نہ ہم کو اس سے منع کیا اور ہم اس کو ادا کرتے رہے۔(۱)

مگر اس استدلال کو ابن حجر علیہ الرحمہ نے یہ کہہ کر رد کردیا ہے کہ اولاً تو اس حدیث کی سند میں ایک راوی مجہول ہے۔ ثانیاً اگر حدیث صحیح بھی ہو تو اس سے صرف یہ معلوم ہوا کہ حکم زکوۃ کے نزول کے بعد صدقۂ فطر کا دوبارہ حکم نہیں دیا، اور ہوسکتا ہے کہ پہلے جو حکم دیدیا تھا اسی پر اکتفا فرمایا ہو؛ کیوں کہ ایک فرض کا حکم نازل ہونے سے، دوسرا فرض ساقط نہیں ہوجاتا۔(۲)

لہٰذا یہ کہنا صحیح نہیں کہ صدقۂ فطر کا حکم منسوخ ہوگیا، لہٰذا چاہیں تو دیں، چاہیں تو نہ دیں۔ نہیں بلکہ یہ واجب ہے ضرور ادا کرنا چاہئے۔

صدقہ فطر کی وجہ تسمیہ:

صدقۂ فطر کی وجہ تسمیہ کیا ہے؟ اس میں دو قول ہیں: ایک یہ ہے کہ یہ صدقہ

(۱) نسائی: ۱/۳۴۷، رقم: ۲۵۹۷ (۲) فتح الباری: ۳/۳۶۸

چونکہ رمضان کے اختتام پر عیدالفطر کے دن مشروع ہے، اس لئے اس کو صدقۂ فطر کہا جاتا ہے۔ فطر کے معنی افطار کرنے کے ہیں اور رمضان کے ختم پر روزوں کا سلسلہ ختم ہو جاتا ہے، اس لئے رمضان کی عید کو عیدالفطر اور اس صدقہ کو صدقۂ فطر کہا جاتا ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ فطر کے معنی ''خلقت و بناوٹ'' کے ہیں جیسا کہ اللہ تعالے نے فرمایا کہ: فِطْرَ ةَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا'(اللہ کی بناوٹ جس پر کہ اللہ نے انسانوں کو پیدا کیا ہے) پس اسی سے صدقۂ فطر کو صدقۂ فطر کہتے ہیں: کیونکہ یہ صدقہ دراصل اپنی ذات و نفس کا صدقہ ہے جسے اللہ نے پیدا کیا ہے، جس طرح زکاۃ مال کا صدقہ ہے، یہ جان کا صدقہ ہے جس سے آپ کا تزکیہ کیا جاتا ہے۔ (۱)

صدقۂ فطر کی حکمت

صدقۂ فطر کس وجہ سے مشروع ہوا؟ اس کے بارے میں حدیث میں وضاحت فرمائی گئی ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

''فَرَضَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ زَكَاةَ الفِطْرِ طُهْرَةً لِلصَّائِمِ......في رواية البيهقي: طهرة للصيام--مِنَ اللَّغْوِ وَالرَّفَثِ وَطُعْمَةً لِلْمَسَاكِيْنِ'' (رسول اللہ ﷺ نے روزہ دار کو فضول ولغو باتوں اور فحش کاموں کے اثرات سے پاک کرنے اور محتاجوں کے کھانے کا بندوبست کرنے کے لیے صدقۂ فطر فرض فرمایا ہے)۔ (۲)

اور دارقطنی نے اس کو عبداللہ بن عباس سے مرفوعا بھی روایت کیا ہے، وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: ''زَكَاةُ الفِطْرِ طُهْرَةٌ لِلصَّائِمِ مِنَ

(۱) المغنی لابن قدامہ: ۲/۳۵۱، مغنی المحتاج: ۱/۴۰۱ (۲) ابوداؤد: ۱/۲۲۷، رقم: ۱۶۰۹، ابن ماجہ: ۱۸۲۷، شعب الایمان: ۴/۱۶۲ (۳) دارقطنی: ۲/۱۳۸

اللَّغْوِ وَالرَّفَثِ وَ طُعْمَةٌ لِلْمَسَاكِيْنِ"(صدقۂ فطر روزہ دار کے لئے فضول ولغو باتوں اور فحش کاموں کے اثرات سے پاکی ہے اور محتاجوں کے کھانے کا ایک ذریعہ ہے)(۱)

اس حدیث میں صدقۂ فطر کی مشروعیت کی دو حکمتیں بتائی گئی ہیں: ایک یہ کہ روزوں کو فضول ولغو باتوں اور فحش کاموں کے اثرات سے پاک کرنا۔ یہ اس لیے کہ عام طور پر ہم جو روزے رکھتے ہیں اس میں زبان سے لغو و فضول اور خلاف شرع باتیں صادر ہو جاتی ہیں، جس سے روزہ غلط طور پر متأثر ہوتا ہے اور اس کی برکات ختم ہو جاتی ہیں، اسی طرح دیگر اعضاء و جوارح سے گناہ و خطاء کا صدور ہوتا رہتا ہے جس کی بنا پر روزہ خراب ہو جاتا ہے، لہٰذا صدقۂ فطر واجب کیا گیا کہ صدقۂ فطر ان گناہوں کے اثرات کو دھوکر روزوں کو پاک وصاف بنا دیتا ہے۔

دوسری حکمت یہ ہے کہ غریب ومسکین لوگوں کے کھانے کا بندوبست کیا جائے عید کا دن اہل اسلام کی خوشی کا دن ہے، اس عظیم خوشی کے دن اپنے رشتہ داروں، دوست واحباب اور پڑوسیوں میں جو لوگ محتاج و بے کس ہوں ان کو بھی اپنی خوشی میں شامل کرنا بلکہ ان کو بھی خوشی منانے کا موقعہ فراہم کرنا ضروری بھی ہے اور فطرت انسانی کا تقاضا بھی، لہٰذا حکم دیا گیا کہ عید سے پہلے صدقۂ فطر مساکین کو دیدیا جائے تا کہ وہ بھی عید کے دن کچھ خوشی کا سامان کر سکیں اور سب کے ساتھ عید منائیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ اسلام کی تعلیمات کس قدر حکیمانہ ہوتی ہیں اور اس کے ایک ایک حکم میں کئی کئی حکمتیں ومصلحتیں پوشیدہ ہوتی ہیں، دیکھئے صدقۂ فطر سے ایک طرف روزوں میں ہونے والی لغویات وفضولیات اور غلط حرکات کا تدارک کیا

(۱) دارقطنی: ۱۳۸/۲

جارہا ہے تو دوسری طرف محتاجوں اور بے کسوں کی عید کا سامان بھی کیا جارہا ہے ،تا کہ وہ بھی اپنے اہل وعیال کے ساتھ شریک عید وخوشی ہوجائیں۔

صدقۂ فطر اور صحابہ کے معمولات

صدقۂ فطر کے سلسلہ میں صحابہ کا معمول بھی احادیث میں منقول ہے:

(۱) حضرت ابوسعید خدریؓ فرماتے ہیں کہ ہم حضور ﷺ کے زمانے میں صدقۂ فطر کھانے (یعنی گیہوں) میں سے ایک صاع ، جو میں سے ایک صاع، کھجور میں سے ایک صاع، پنیر میں سے ایک صاع اور خشک انگور (کشمش) میں سے ایک صاع دیتے تھے۔(۱)

(۲) حضرت ابوسعیدؓ ہی فرماتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے عہد میں صرف کھجور، جواور پنیر میں سے ایک ایک صاع ،صدقہ فطر میں نکالتے تھے۔(۲)

(۳) حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کے دور میں لوگ صدقۂ فطر میں جو،یا کھجور یا خشک انگور میں سے ایک صاع نکالتے تھے۔(۳)

(۴) حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ہم اللہ کے نبی علیہ السلام کے دور میں صدقۂ فطر میں دومُد گیہوں دیا کرتے تھے۔(۴)

(۵) حضرت اسماء رضی اللہ عنہا اپنے گھر والوں میں سے آزاد وغلام سب کی طرف سے دومد گیہوں یا ایک صاع کھجور اس مد سے نکالتی تھیں جس سے لوگ معاملہ کرتے تھے۔(۵)

---

(۱) بخاری: ۱/۲۰۴،رقم: ۱۴۳۵، مسلم: ۱/۳۱۸، رقم: ۹۷۵، نسائی: ۱/۳۴۷،رقم: ۲۵۱۸، ابوداوٗد: ۱/۲۲۸،رقم: ۱۶۱۸، طحاوی: ۱/۲۶۸، ترمذی: ۱/۱۴۶،رقم: ۶۷۳ (۲) مسند حمیدی: ۲/۳۲۷، طحاوی: ۱/۲۶۸ وغیرہ (۳) نسائی: ۱/۳۴۸، رقم: ۲۵۱۶، ابوداوٗد: ۱/۲۲۷،رقم: ۱۶۱۴ (۴) طحاوی: ۱/۲۶۹ (۵) طحاوی: ۱/۲۶۹

(۶) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ صدقۂ فطر اپنے گھر کے لوگوں میں سے چھوٹے اور بڑے، آزاد اور غلام سب کی طرف سے دیتے تھے۔ (۱)

(۷) حضرت سالم بن عبداللہ فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمر اپنے مُکاتَب غلاموں کی طرف سے بھی صدقۂ فطر نکالتے تھے۔ (۲)

فائدہ: مکاتب وہ غلام ہے جس کو آقا نے ایک مقررہ رقم ادا کرنے پر آزاد کرنے کہہ دیا ہو، مثلاً اگر ایک ہزار روپئے دیدے تو آزاد وغیرہ۔

(۸) حضرت عبداللہ بن عمر صدقۂ فطر میں کھجور دیا کرتے تھے، ایک دفعہ مدینہ والوں کو اس کی سخت حاجت پڑ گئی تو اس سال جو دیئے۔ (۳)

(۹) حضرات صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین عید الفطر سے ایک یا دو دن پہلے ہی صدقۂ فطر دے دیا کرتے تھے۔ (۴)

(۱۰) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ عید سے دو یا تین دن پہلے صدقۂ فطر ان لوگوں کے پاس جمع فرما دیتے جو صدقۂ فطر جمع کرتے تھے۔ (۵)

ان روایات سے صدقۂ فطر کے بارے میں حضرات صحابہ کے معمولات کا علم ہوتا ہے، جن کا خلاصہ درج ذیل نمبرات میں ملے گا:

(۱) عام طور پر صدقۂ فطر ان چیزوں سے دیا جاتا تھا: کھجور، جو، پنیر، خشک انگور یعنی کشمش، اور ان میں سے بھی بعض صحابہ جیسے عبداللہ بن عمر عام طور پر کھجور دیا کرتے تھے۔

(۲) اور یہ چیزیں ایک صاع دی جاتی تھیں۔ (صاع کی مقدار آگے آ رہی ہے)

---

(۱) مسند حمیدی:۲/۴۶۸ (۲) جامع المسانید:۱/۴۶۸ (۳) بخاری:۱/۲۰۵، رقم:۱۴۴۰، مؤطا مالک:۱۲۴، ابوداؤد:۱/۲۲۸، رقم:۱۶۱۵، احمد:۲/۵ (۴) بخاری:۱/۲۰۵، رقم:۱۴۴۰ (۵) موطا مالک:۱۲۴

(۳) گیہوں میں سے دومُد دیا کرتے تھے۔ (دومُد آدھا صاع ہوتے ہیں)

(۴) اپنی طرف سے اور اپنے گھر کے دیگر آزاد و غلام، بڑے چھوٹے افراد کی طرف سے بھی نکالتے تھے یعنی جن کا نفقہ اپنے ذمہ ہوتا، ان کا صدقہ فطر ادا کرتے اور جن کا نفقہ ذمہ نہ ہوتا ان کو ترغیب دے کر ان کی طرف سے نکالتے تھے۔

(۵) عید سے ایک دو دن پہلے ہی نکالدیتے اور امیر المومنین کی طرف سے مقررہ افراد کے پاس جمع کر دیتے تھے۔

صدقۂ فطر کے وجوب و ادا کرنے کا وقت

صدقۂ فطر کب واجب ہوتا ہے اور اس کو کب تک ادا کیا جائے؟ جہاں تک پہلے مسئلہ کا تعلق ہے تو فقہاء نے لکھا ہے کہ صدقۂ فطر عید الفطر کی صبح صادق پر واجب ہوتا ہے، لہٰذا جو شخص اس وقت موجود ہے اس پر واجب ہو جائے گا۔ لہٰذا جس کی موت عید کے دن صبح صادق سے پہلے ہوگئی اس پر یہ صدقہ واجب نہیں، اور جس کی موت صبح صادق کے بعد ہوئی اس پر واجب ہوگا، اسی طرح جو بچہ اس وقت سے پہلے پیدا ہوا اس کا صدقہ فطر باپ دیگا، اور جو بچہ اس وقت کے بعد پیدا ہوا اس کا صدقۂ فطر واجب نہیں، نیز جو شخص صبح صادق سے پہلے ایمان لایا اس پر یہ واجب ہو جائے گا اور جو اس وقت کے بعد ایمان لایا اس پر واجب نہ ہوگا، اسی طرح جو فقیر آدمی صبح صادق سے پہلے مالدار ہو گیا اس پر یہ واجب ہے اور جو اس وقت کے بعد مالدار ہوا اس پر واجب نہیں۔ (۱)

اور رہا دوسرا مسئلہ کہ کب ادا کیا جائے؟ تو معلوم ہونا چاہئے کہ اس کا وقت تو وہ ہے جس کا ذکر حدیث میں گزرا ہے کہ: وَ أَمَرَ بِهَا أَنْ تُؤَدّٰى قَبْلَ خُرُوْجِ

(۱) المبسوط: ۳/۱۰۸، الدر المختار مع الشامی: ۲/۳۶۷، تحفۃ الفقہاء: ۱/۳۳۹

النَّاسِ إِلَى الصَّلَاةِ "(رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا کہ اس کو لوگوں کے عید کے لئے نکلنے سے پہلے ادا کیا جائے) لہٰذا صدقہ فطر عید کی نماز کو جانے سے پہلے ادا کر دینا چاہئے۔

نیز ایک حدیث میں بروایت حضرت ابن عباسؓ آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ : "فَرَضَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ زَكَاةَ الفِطْرِ طُهْرَةً لِلصَّائِمِ --- في رواية البيهقي: طهرة للصيام---- مِنَ اللَّغْوِ وَالرَّفَثِ وَ طُعْمَةً لِلْمَسَاكِيْنِ، وَ مَنْ أَدَّاهَا قَبْلَ الصَّلَاةِ فَهِيَ صَدَقَةٌ مَقْبُوْلَةٌ ، وَ مَنْ أَدَّاهَا بَعْدَ الصَّلَاةِ فَهِيَ صَدَقَةٌ مِنَ الصَّدَقَاتِ"(رسول اللہ ﷺ نے روزہ دار کو فضول ولغو باتوں اور فحش کاموں کے اثرات سے پاک کرنے اور محتاجوں کے کھانے کا بندوبست کرنے کے لیے صدقۂ فطر فرض فرمایا ہے، اور جس نے عید گاہ جانے سے پہلے اس کو ادا کیا وہ اس کے لیے مقبول صدقہ ہے اور جس نے نماز کے بعد میں ادا کیا تو وہ عام صدقات میں سے ایک صدقہ ہے)۔(۱)

اس سے بھی معلوم ہوا کہ عید گاہ جانے سے پہلے ادا کر دینا چاہئے، اور بہتر یہ ہے کہ دو چار دن قبل عیدی ادا کر دیا جائے۔ جیسا کہ اوپر حضرات صحابہ کا معمول بیان کر چکا ہوں۔ اور اگر شروع رمضان میں ادا کر دے بلکہ رمضان آنے سے پہلے بھی ادا کر دے تو جائز ہے۔ علامہ حصکفیؒ نے لکھا ہے کہ :بعض کے نزدیک رمضان داخل ہونے کے بعد کبھی بھی صدقہ فطر دیا جا سکتا ہے، رمضان کے آنے سے پہلے نہیں، لیکن عام متون میں یہی لکھا ہے کہ رمضان سے پہلے بھی دیا جا سکتا ہے، اور یہی مذہب ہے۔(۲)

---

(۱)ابوداؤد:۱/۲۲۷،رقم : ۱۶۰۹،ابن ماجہ: ۱۸۲۷،شعب الایمان: ۱۶۲/۴(۲)الدر المختار مع الشامی: ۳۶۷/۲،البحر الرائق:۲۷۵/۲

لیکن علامہ ابن نجیم نے فتاوی ظہیریہ وفتاوی قاضی خان کے حوالے سے فتوی اس پر نقل کیا ہے کہ رمضان کے داخل ہونے کے بعد کسی وقت دیا جا سکتا ہے، رمضان سے پہلے نہیں۔(۱)

اگر کسی نے عید سے پہلے صدقہ ادا نہ کیا تو وہ اس سے ساقط نہ ہوگا، بلکہ بعد میں کبھی نہ کبھی اس کو ادا کرنا چاہیئے، اگر چہ کہ ایک لمبی مدت کیوں نہ گزر گئی ہو، اس لیے جلد سے جلد ادا کر دے۔(۲)

صدقۂ فطر کن لوگوں پر واجب ہے؟

صدقۂ فطر کن کن لوگوں پر واجب ہے؟ اس بارے میں بعض امور میں فقہاء کا اختلاف ہے، اور اس سلسلہ میں وہ حدیث اصل ہے جو اوپر گزر چکی ہے، جس میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے صدقۂ فطر ہر آزاد و غلام، مرد و عورت، چھوٹے اور بڑے پر جو مسلمانوں میں سے ہو، ایک صاع جو یا کھجور فرض کیا ہے۔(۳)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ صدقۂ فطر ہر مسلمان پر واجب ہے، خواہ وہ مرد ہو یا عورت، اور خواہ وہ آزاد ہو یا غلام، بچہ ہو یا بڑا، مگر بعض اور دلائل کی وجہ سے فقہاء ان میں سے بعض میں کچھ تفصیل کرتے ہیں۔ اور اسی سے فقہاء میں اختلاف ہوا ہے۔

صدقۂ فطر مالدار مسلمان پر واجب ہے

ایک تو اس میں کہ صدقۂ فطر صرف مالدار مسلمان پر واجب ہے یا محتاج پر بھی واجب ہے؟ امام شافعی وغیرہ ائمہ ہر اس مسلمان پر اس کو واجب قرار دیتے

(۱) البحر الرائق: ۲/۲۷۵ (۲) ہدایہ: ۱/۱۱۷، المبسوط: ۳/۱۱۰ (۳) بخاری: ۱/۲۰۴، مسلم: ۱/۳۱۷

ہیں جس کے پاس اپنے اور اپنے اہل وعیال کے لئے عید کے دن کے کھانے پینے کا سامان موجود ہو، اور احناف یہ کہتے ہیں کہ جو صاحب نصاب ہو اور وہ نصاب بھی اس کی ضروریات سے زائد ہو اس پر یہ صدقہ واجب ہے۔

تحفۃ الملوک میں ہے کہ :" صدقة الفطر تجب على كل حر مسلم مالك نصاباً فاضلاً عن حاجته الأصلية وإن كا ن غير نام "(صدقۂ فطر ہر اس آزاد مسلمان پر واجب ہے جو اپنی حاجت اصلیہ سے زائد نصاب کا مالک ہو، اگرچہ کہ وہ نصاب نامی نہ ہو)(۱)

اور امام قدوری اور امام مرغینانی فرماتے ہیں کہ: "صدقة الفطر واجبة على الحر المسلم إذا كان مالكاً لمقدار النصاب فاضلاً عن مسكنه وثيابه و أثاثه و فرسه و سلاحه و عبيده للخدمة "(صدقہ فطر اس آزاد مسلمان پر واجب ہے جو مقدار نصاب کا مالک ہو، جبکہ وہ نصاب اس کے مسکن، کپڑوں، گھریلو سامان، سواری کے گھوڑے اور ہتھیار، اور خدمت کے غلاموں سے زائد از ضرورت ہو)(۲)

اور اس کی دلیل یہ ہے کہ حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: "خير الصدقة ما كان عن ظهر غني "(بہترین صدقہ وہ ہے جو (ضروریات سے) فاضل وزائد مال سے دیا جائے)۔(۳)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جس کے پاس اتنا مال ہے کہ اس سے اپنی اور اپنے اہل وعیال کی ضروریات پورا کرنے کے بعد بھی وہ بچا رہتا ہے تو اس پر

(۱)تحفۃ الملوک :۱/۱۳۱(۲)بدایۃ المبتدی: ۳۸(۳)بخاری:۱/۱۹۲،رقم: ۱۳۶۰، ومسلم:۱/۳۳۲،رقم: ۱۰۳۴، والنسائی:۱/۳۵۱ ،رقم:۲۵۴۳،احمد:۲/۴۳۴،صحیح ابن خزیمہ:۴/۹۷،والحمیدی فی مسندہ: ۲/۵۳۶

تو ضروری ہے کہ صدقہ دے اور جس کے پاس بچا نہ رہے، وہ خود محتاج ہو تو اس کو صدقہ دینا افضل بھی نہیں، چہ جائیکہ واجب ہو۔

الغرض جو مسلمان غنی و مالدار ہو اس پر صدقۂ فطر واجب ہے، اب رہا یہ کہ غنی کس کو کہیں گے؟ تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک غنی وہ ہے جو صاحب نصاب ہو، یعنی جس کے پاس اتنا مال ہو جس پر زکاۃ فرض ہو جاتی ہے، اسی لیے احادیث میں مذکور ہے کہ پانچ اوقیہ سے کم میں زکوۃ نہیں۔ "ليس فيما دون خمس أواق صدقة" (۱)

اور ایک اوقیہ چالیس درہم کا ہوتا ہے تو پانچ اوقیہ دوسو درہم ہوئے۔ اس سے معلوم ہوا کہ زکوۃ کا نصاب دوسو درہم ہے، اس سے کم میں زکوۃ نہیں، جب زکوۃ کے بارے میں غنی کی یہ حد ہے تو امام ابوحنیفہ صدقۂ فطر میں بھی غنی کی یہی حد قرار دیتے ہیں۔

غرض جو صاحبِ نصاب ہو (یعنی جس کے پاس ضروریات سے زائد ساڑھے سات تولے سونا یا ساڑھے باون تولے چاندی ہو اور آج کے حساب کے مطابق جو ۶۱۲ر گرام چاندی یا ۸۷ر گرام سونا رکھتا ہو) اس پر صدقۂ فطر واجب ہے، اور دیگر ائمہ کرام کے نزدیک صدقۂ فطر اس پر بھی واجب ہے جس کے پاس اپنا اور اپنے اہل وعیال کا ایک دن کا کھانا اور عید کی ضروریات موجود ہوں۔

چنانچہ فقہ شافعی کی کتاب ''حلیۃ العلماء'' میں ہے کہ:

"زكاة الفطر واجبةٌ على كل حرّ مسلم يملك ما يخرجه من صدقة الفطر فاضلاً عن كفايته و كفاية من تلزمه كفايته في ليلة الفطر و يومه" (صدقۂ فطر ہر اس آزاد مسلمان پر واجب ہے، جو صدقۂ فطر نکالنے کے لئے اتنے مال کا مالک ہو

(۱) بخاری:۱/۱۹۴،رقم : ۱۳۴۰،مسلم: ۹۷۹، نسائی:۱/۳۴۲،رقم : ۲۴۷۶ ابوداؤد:۱/۲۱۷،رقم: ۱۵۵۸، مؤطا مالک:۱۰۵

جو عید الفطر کی رات اور دن کے لئے اپنی اور اپنے ماتحتوں کی کفایت سے زائد ہو)(۱)

اس لیے اللہ تعالی نے جن لوگوں کو بالکل ہی محتاج نہیں بنا دیا ہے، بلکہ نصاب کے مالک نہ ہونے کے باوجود، اچھا کھاتے پیتے ہیں وہ بھی صدقۂ فطر ادا کر دیں تو بہتر ہے۔

نصاب کے بارے میں ایک وضاحت

اوپر کی تفصیل سے معلوم ہوا کہ زکاۃ کے نصاب کا مالک ہونا صدقۂ فطر کے وجوب کے لئے بھی شرط ہے، مگر یہاں اس کے متعلق ایک وضاحت ضروری ہے، وہ یہ کہ زکوۃ کے لئے نصاب پر ایک سال گزرنا بھی شرط ہے لیکن صدقۂ فطر کے لئے نصاب پر ایک سال گزرنا شرط نہیں ، بلکہ اگر عید کے دن صبح صادق سے پہلے وہ نصاب کا مالک ہوا تو اس پر بھی صدقۂ فطر لازم و واجب ہے، دوسرے یہ کہ زکوۃ کے نصاب میں یہ شرط بھی ہے کہ وہ نامی یعنی بڑھنے کی صلاحیت رکھتا ہو، جیسے سونا چاندی یا مال تجارت، مگر صدقۂ فطر والے نصاب میں یہ شرط بھی نہیں ہے، لہٰذا وہ نصاب بڑھنے کی صلاحیت رکھتا ہو یا نہ رکھتا ہو، ہر صورت میں اس پر صدقۂ فطر واجب ہو جائے گا۔(۲)

نابالغ پر صدقہ کا مسئلہ

مذکورہ حدیث میں بچے پر بھی صدقۂ فطر کو ضروری بتایا ہے، علماء نے اس کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ نابالغ بچے کا ذاتی مال ہو تو اس میں سے اس کا صدقۂ فطر ادا کیا جائے اور اگر اس کا مال نہ ہو تو باپ، اس کا صدقۂ فطر اپنے مال سے ادا کر دے۔

(۱) حلیۃ العلماء:۳۰/۱۰۱(۲) الدر المختار مع الشامی:۲/۲۶۰، ہدایہ:۱/۱۱۵، طحطاوی علی المراقی:۴۷۵

علامہ شرنبلالیؒ نے مراقی الفلاح میں لکھا ہے کہ:" فيخرجها عن نفسه و أولاده الصغار الفقراء وإن كانوا اغنياء يخرجها من مالهم"(پس باپ اپنی جانب سے اور اپنی فقیر نابالغ اولاد کی جانب سے صدقۂ فطر نکالے، اور اگر اولاد خود مالدار ہو تو ان ہی کے مال سے نکالے)(۱)

علامہ کاسانیؒ کہتے ہیں کہ: " وأما البلوغ والعقل فليسا من شرائط الوجوب في قول أبي حنيفة و أبي يوسف حتى تجب صدقة الفطر على الصبي والمجنون إذا كان لهما مال ويخرجها الولي من مالهما" (بالغ ہونا اور عقل مند ہونا امام ابوحنیفہ وامام ابو یوسف کے نزدیک شرائط وجوب میں سے نہیں ہیں، لہٰذا صدقۂ فطر بچے اور مجنون کے اوپر بھی واجب ہوگا اگر ان کے پاس مال ہو، اور اس کو ان کا ولی ان کے مال سے نکالے گا)(۲)

علامہ ابن حجر شرح بخاری میں فرماتے ہیں:

"حدیث (مذکور) سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ (صدقۂ فطر) بچے پر بھی واجب ہے، لیکن اس سے بچہ کے ذمہ دار کو خطاب کیا گیا ہے، لہٰذا یہ بچے کے مال میں واجب ہوگا؛ ورنہ اس پر واجب ہوگا جس کے ذمہ اس بچہ کا خرچ ہے، یہی جمہور علماء کا قول ہے۔"(۳)

ہاں بالغ اولاد کا صدقۂ فطر باپ کے ذمہ نہیں، وہ خود مالدار ہے تو اس کا ادا کرنا خود ان کے اوپر واجب ہے اور اگر مالدار نہیں ہیں تو کسی پر بھی ان کا صدقہ واجب نہیں۔(۴)

تاہم اگر باپ ان کی طرف سے ان کی اجازت کے بغیر ادا کردے تو قیاس

(۱)مراقی الفلاح: ۲۶۹ (۲)بدائع الصنائع: ۱۹۸/۲ (۳)فتح الباری:۳۶۹/۳ (۴)مراقی الفلاح:۲۶۹، وطحطاوی علی المراقی:۴۷۵/۲

کی رو سے تو ادا نہ ہوگا لیکن استحساناً یہ بھی درست ہے اور اس کی جانب سے یہ ادا ہو جائے گا۔(۱)

عورت کا صدقۂ فطر

اس حدیث میں عورت پر بھی صدقۂ فطر کو واجب قرار دیا ہے۔لہٰذا عورت اپنے مال سے اپنا صدقۂ فطر ادا کرے گی،عورت کا صدقۂ فطر شوہر کے ذمہ نہیں ہے،یہی امام ابو حنیفہ و امام ثوری و امام ابن المنذر کا مسلک ہے۔اور امام شافعی و امام مالک و امام احمد وغیرہ حضرات کے نزدیک عورت کا صدقہ فطر اس کے شوہر کے ذمہ ہے،جس طرح اس کا نفقہ شوہر پر ہے۔(۲)

امام سرخسی کی ''المبسوط'' میں ہے کہ: "ولا يؤدي الزوج زكاة الفطر عن زوجته" (شوہر اپنی بیوی کی جانب سے صدقۂ فطر ادا نہیں کرے گا)(۳)

اگر کوئی شوہر بیوی کی اجازت کے ساتھ اس کا صدقۂ فطر دیدے تو جائز ہے اور اگر اس کی اجازت کے بغیر اس کا صدقۂ فطر ادا کردے تو بعض علماء نے کہا کہ یہ ادا نہ ہوگا لیکن امام ابو یوسف کی روایت میں استحساناً یہ جائز و درست ہو جائے گا۔

علامہ سرخسی نے لکھا ہے کہ:

"فإن أدّى الزوج عن زوجته بأمرها جاز ، و إن أدّى عنها بغير أمرها لم يجز في القياس ، كما لو أدّى عن أجنبي ، و يجوز استحساناً في رواية عن أبي يوسفؒ ؛ لأن العادة أن الزوج هو الذي يؤدي فكان الأمر منها ثابتاً باعتبار العادة "(پس اگر شوہر اپنی زوجہ کی طرف سے اس کے حکم سے دیدے تو جائز ہے اور اگر اس کے حکم کے بغیر دیدے تو قیاس میں یہ جائز

(۱)طحطاوی:۴۷۵/۲ (۲)فتح الباری:۳۶۹/۳ (۳)المبسوط:۱۰۵/۳

نہیں ہے جیسے اگر کسی اجنبی کی جانب سے دے تو جائز نہیں، اور استحساناً ابو یوسف کی روایت میں یہ جائز ہے؛ کیونکہ عادت یہی ہے کہ شوہر ہی صدقہ ادا کرتا ہے پس زوجہ کی جانب سے حکم باعتبار عادت کے ثابت ہے) (۱)

ایک مشہور غلط فہمی کا ازالہ

اکثر عوام میں مشہور ہے کہ صدقہ فطر اس پر واجب ہے جس نے روزہ رکھا ہو اور جس نے روزہ نہیں رکھا اس پر صدقۂ فطر نہیں ہے۔ یہ بے اصل اور غلط ہے۔ صحیح یہ ہے کہ یہ صدقۂ فطر بھی مستقل ایک عمل وعبادت ہے، خواہ روزہ رکھا ہو یا نہ رکھا ہو، ہر صورت میں صدقہ فطر دینا چاہئے جب کہ مالدار ہو۔

بدائع الصنائع میں ہے کہ: و کذلك وجود الصوم في شهر رمضان ليس بشرط لوجوب الفطرة حتى أن من أفطر لكبر أو مرض أو سفر يلزمه صدقة الفطر لأن الأمر بأدائها مطلق عن هذا الشرط " (اور اسی طرح رمضان میں روزے کا پایا جانا صدقۂ فطر کے واجب ہونے کے لئے لازم نہیں ہے، لہٰذا جو شخص بڑھاپے یا بیماری یا سفر کی وجہ سے روزہ نہیں رکھا اس پر بھی صدقۂ فطر دینا لازم ہے؛ کیونکہ صدقۂ فطر ادا کرنے کا حکم اس شرط سے مطلق ہے) (۲)

اسی طرح درمختار و شامی میں بھی ہے کہ اگر کسی نے روزہ نہیں رکھا تو اس پر بھی صدقۂ فطر واجب ہے، شامی نے تصریح کی ہے کہ خواہ کسی عذر کی وجہ سے نہ رکھا ہو یا بلا عذر جان بوجھ کر روزہ چھوڑا ہو ہر صورت میں صدقۂ فطر واجب ہے۔ (۳)

---

(۱) المبسوط: ۱۰۵/۳ (۲) بدائع الصنائع: ۷۰/۲ (۳) الدر المختار مع الشامی: ۳۶۱/۲

اس سے معلوم ہوا کہ اگر کسی نے روزہ نہیں رکھا خواہ بڑھاپے کی وجہ سے یا بیماری یا سفر کی وجہ سے یا ویسے ہی غفلت وسستی کی وجہ سے تو اس سے صدقہ فطر ساقط نہیں ہوتا، اس کو خوب ذہن نشین کر لینا چاہئے۔

صدقۂ فطر کی مقدار

صدقۂ فطر میں اگر کھجور، جو، کشمش، اور پنیر دینا ہو تو ایک صاع دینا چاہئے جیسا کہ اوپر احادیث کے حوالہ سے گزرا ہے اور اگر گیہوں دینا ہو تو احناف کے نزدیک آدھا صاع کافی ہے، اور امام احمد وامام شافعی وامام مالک وغیرہ کے نزدیک گیہوں میں بھی ایک صاع ہی دینا چاہئے۔ (صاع کی تحقیق آگے آرہی ہے)

علامہ ابن قدامہ ''المغنی'' میں لکھتے ہیں کہ:

''أن الواجب في صدقة الفطر صاع عن كل إنسان لا يجزئ أقل من ذلك من جميع أجناس المخرج ، و به قال مالك و الشافعي و إسحاق ، و روي ذلك عن أبي سعيد الخدري والحسن وأبي العالية ، وروي عن عثمان بن عفان وابن الزبيرومعاوية : أنه يجزئ نصف صاع من البر خاصةً ، و هو مذهب سعيد بن المسيب و عطاء و طاؤس و مجاهد و عمر بن عبد العزيز و عروة بن الزبير وأبي سلمة بن عبد الرحمن و سعيد بن جبير وأصحاب الرأي''

(صدقۂ فطر میں واجب ہر انسان کی طرف سے ایک صاع ہے، تمام قسم کی اجناس میں سے اس سے کم جائز نہ ہوگا، یہی امام مالک، امام شافعی وامام اسحاق کا قول ہے، اور یہی بات حضرت ابوسعید خدری، حضرت حسن اور حضرت ابوالعالیہ

سے مروی ہے، اور حضرت عثمان، حضرت عروہ بن الزبیر اور حضرت معاویہ سے مروی ہے کہ خاص طور پر گیہوں میں آدھا صاع کافی ہے اور یہی سعید بن المسیب، عطاء، طاؤس، مجاھد، عمر بن عبدالعزیز، عروہ بن الزبیر، ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن، سعید بن جبیر اور اصحاب الرای کا مذہب ہے)۔(۱)

اس سے معلوم ہوا کہ گیہوں کے بارے میں اختلاف ہے کہ اس کا ایک صاع دینا صدقۂ فطر میں ضروری ہے جیسا کہ دیگر اشیاء میں دیا جاتا ہے یا اس میں نصف صاع کافی ہے؟

گیہوں میں آدھا صاع کافی ہونے کے بارے میں متعدد صحابہ سے روایات آئی ہیں۔ چنانچہ اوپر صحابہ کے معمولات میں بھی حضرت اسماء بنت ابی بکرؓ سے روایت نقل کی جا چکی ہے جس میں ہے کہ انھوں نے فرمایا کہ ہم اللہ کے نبی علیہ السلام کے دور میں صدقۂ فطر میں دومُد گیہوں دیا کرتے تھے۔(۲)

اور حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ ہم (صحابہ) حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے زمانہ میں ایک صاع غلہ یا ایک صاع جو یا ایک صاع کشمش دیتے تھے۔ جب گیہوں آئی (یعنی اس کا رواج ہوا اور حضرت معاویہ بھی ان دنوں) حج یا عمرہ کے لیے تشریف لائے تو فرمایا کہ میری رائے یہ ہے کہ اس (گیہوں) کا ایک مُد (دیگر چیزوں کے) دومُد کے برابر ہے۔(۳)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ نبی کریم ﷺ نے ایک صاع کھجور یا ایک صاع جَو صدقۂ فطر میں دینے کا حکم فرمایا، پھر لوگوں نے دومُد گیہوں

---

(۱) المغنی: ۲/۳۵۲ (۲) طحاوی: ۱/۲۶۹ (۳) بخاری: ۱/۲۰۴، رقم: ۱۴۳۷ مسلم: ۱/۳۱۸، رقم: ۹۸۵، ابوداؤد: ۱/۲۲۸، رقم: ۱۶۱۶، نسائی: ۱/۳۴۸، رقم: ۲۵۱۳، ترمذی: ۱/۱۴۶، رقم: ۶۷۳، طحاوی: ۱/۲۶۸

کو اس کے برابر قرار دیا۔(۱)

اور ایک روایت میں حضرت عبداللہ بن عمر ہی سے یہ وارد ہوا ہے کہ لوگ جو اور کھجور اور سُلت (بغیر چھلکے کا جو) صدقہ فطر میں نکالتے تھے، جب حضرت عمر کے دور میں گیہوں کی زیادتی ہوئی تو آپ نے گیہوں کا آدھا صاع مقرر کیا۔(۲)

مگر اس میں محدثین نے اس کے راوی عبدالعزیز بن رواد پر وہم کا حکم لگایا ہے، ابن حجر نے کہا کہ: حكم مسلم في كاتب التمييز على عبد العزيز بن رواد فيه بالوهم و أوضح الرد عليه.(۳)

ایک صاع چار مُد کا ہوتا ہے، لہٰذا دو مُد نصف (آدھا) صاع ہوں گے، تو معلوم ہوا کہ گیہوں میں سے آدھا صاع دینا کافی ہے۔

گیہوں میں آدھا صاع کس نے مقرر کیا؟

رہا یہ کہ گیہوں میں دو مد مقرر کرنے کی رائے کس کی تھی؟ اس میں حضرت ابو سعیدؓ کی روایت سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ حضرت امیر معاویہ کی رائے تھی، اور ابن عمر کی ایک روایت میں اس کو صحابہ کی رائے کہا گیا ہے جبکہ انہی کی ایک دوسری روایت میں اس کو حضرت عمر کی جانب منسوب کیا ہے، مگر حضرت اسماء کی حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ خود اللہ کے رسول ﷺ نے مقرر فرمایا تھا؛ کیونکہ حضرت اسماء کے یہ الفاظ ”ہم اللہ کے نبی علیہ السلام کے دور میں صدقۂ فطر میں دو مُد گیہوں دیا کرتے تھے“ بتا رہے ہیں کہ یہ حکم خود اللہ کے رسول کا تھا؛ کیونکہ محدثین کے یہاں اس قسم کے الفاظ کو مرفوع حدیث کا درجہ دیا جاتا ہے۔ علامہ ابن حجر نے حضرت ابو سعید کی حدیث جس میں ہے کہ: ”ہم رسول اللہ ﷺ کے عہد میں جو یا

---

(۱) بخاری: ۲۰۴/۱، رقم: ۱۴۳۶، مسلم: ۳۱۷/۱، رقم: ۹۸۴، ابوداؤد: ۲۲۷/۱، احمد: ۵/۲ (۲) ابوداؤد: ۱۶۱۴، دارقطنی: ۱۴۵/۲ (۳) فتح الباری: ۳۷۲/۳

کھجور وغیرہ کا ایک صاع دیتے تھے‘‘ اس پر لکھتے ہیں کہ:

’’قوله: كنا نعطيها في عهد النبي ﷺ‘‘ هذا حكمه الرفع لإضافته إلى زمنه ﷺ ففيه إشعار باطلاعه ﷺ على ذلك و تقريره له‘‘ (حضرت ابو سعید کا یہ کہنا کہ ہم نبی ﷺ کے زمانے میں دیتے تھے، اس کا حکم حدیث مرفوع کا حکم ہے؛ کیونکہ اس میں رسول اللہ ﷺ کے زمانے کی جانب نسبت ہے، لہٰذا اس میں اشارہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو اس کی اطلاع تھی اور آپ نے اس کی تقریر کی)(۱)

الغرض جس طرح حضرت ابو سعید کا یہ جملہ حدیث مرفوع کے حکم میں ہے اسی طرح حضرت اسماء کا یہ جملہ بھی مرفوع کے حکم میں ہے اور اس کی تائید بعض اور روایات سے بھی ہوتی ہے کہ یہ خود اللہ کے رسول ﷺ کا حکم تھا۔

چنانچہ حضرت ثعلبہ بن عبداللہ بن ابی صعیرؓ نے اپنے والد حضرت عبداللہ بن صعیرؓ سے روایت کیا ہے کہ انھوں نے فرمایا کہ :’’ قام رسول الله ﷺ خطيباً ، فأمر بصدقة الفطر صاع تمر أو شعير عن كل رأس أو صاع بر أو قمح بين اثنين عن الصغير والكبير والحر والعبد‘‘ (حضرت رسول اللہ ﷺ خطبہ دینے کھڑے ہوئے اور آپ نے ہر فرد کی جانب سے ایک صاع کھجور یا ایک صاع جو دینے کا یا دو افراد کی جانب سے ایک صاع گیہوں دینے کا حکم دیا بچے و بڑے اور آزاد و غلام سب کی طرف سے)(۲)

امام ابو داؤد نے اسی حدیث کو ان الفاظ سے ایک دوسری سند سے بھی روایت کیا ہے اور اس میں ثعلبہ بن صعیر آیا ہے، وہ کہتے ہیں کہ :’’قال رسول الله ﷺ : صاع من بر أو قمح على كل اثنين صغير أو كبير ، حر أو عبد ، ذكر أو أنثى‘‘ (رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ہر دو چھوٹے یا بڑے، آزاد یا غلام، عورت یا

(۱) فتح الباری:۳/۳۷۳ (۲) ابوداؤد:۱۶۲۰

مرد کی جانب سے ایک صاع گیہوں ہے)(۱)

اس کو امام ابوداؤد نے دو طرق سے روایت کیا ہے اور دونوں طریقوں کا مدار امام زہری پر ہے، اور امام زہری کا مقام تو سب کو معلوم ہے۔ مگر امام دار قطنی نے اپنی ''کتاب العلل'' میں اس حدیث کو سند و متن کے لحاظ سے مضطرب قرار دیا ہے۔ (۲)

اور حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ہر مرد و عورت اور آزاد و غلام پر ایک صاع جو یا کھجور یا آدھا صاع گیہوں فرض قرار دیا ہے۔ (۳)

یہ حدیث بھی سند کے لحاظ سے ضعیف ہے؛ کیونکہ اس میں حضرت ابن عباس سے روایت کرنے والے حضرت حسن بصری ہیں اور ان کی ابن عباس سے ملاقات نہیں ہے۔

اور ترمذی و دار قطنی نے حضرت عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ روایت کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے مکہ کی گلیوں میں منادی بھیجا کہ یہ اعلان کر دے کہ :" ألا إن صدقة الفطر واجبة على كل مسلم ذكر أو أنثى ، عبد أو حر ، صغير أو كبير مدان من قمح أو سواه صاع من طعام "(خبردار کہ بے شک صدقۂ فطر ہر مسلمان پر واجب ہے، مرد ہو یا عورت، آزاد ہو یا غلام، چھوٹا ہو یا بڑا، گیہوں میں سے دو مد یا اس کے سوا دوسرے کھانوں سے ایک صاع)(۴)

اس حدیث کو امام ترمذی نے حسن کہا ہے۔ اور حضرت سعید بن المسیبؒ سے مرسلا مروی ہے، انھوں نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے صدقۂ فطر گیہوں میں سے دو مُد فرض فرمایا ہے۔ (۵)

---

(۱) ابوداؤد: ۱۶۱۹ (۲) دیکھو کتاب العلل: ۷/۴۰ (۳) نسائی: ۱/۳۴۷، رقم: ۲۵۰۸، ابوداؤد: ۱/۲۲۹، رقم: ۱۶۲۲ (۴) ترمذی: ۶۷۴، دار قطنی: ۲/۱۴۱ (۵) طحاوی: ۱/۲۷۰

یہ حدیث مرسل کہلاتی ہے؛ کیوں کہ حضرت سعید بن المسیب تابعی ہیں، انہوں نے صحابی کا واسطہ ذکر نہیں کیا، مگر جمہور محدثین وفقہاء کے نزدیک مرسل حدیث بھی قابل قبول ولائق احتجاج ہوتی ہے۔ اور خصوصاً اس وقت جب کہ دیگر احادیث وآثار صحابہ وتعامل علماء سے وہ مؤید ہو اور یہاں ایسا ہی ہے کہ دیگر احادیث وآثار صحابہ سے اس کی تائید ہو رہی ہے، پھر خصوصیت کے ساتھ حضرت سعید کی مرسل روایات حجت ہیں۔ امام حاکمؒ نے اپنی کتاب معرفۃ علوم الحدیث میں فرمایا کہ ابن معین نے فرمایا ہے کہ تمام مرسل روایات میں سب سے صحیح سعید بن مسیّب کی مراسیل ہیں اور فرمایا کہ ائمہ متقدمین نے ان کی مراسیل کو دیکھا تو ان کو صحیح سندوں سے پایا۔(۱)

الغرض یہ احادیث اگرچہ کہ منفرداً قابل احتجاج نہیں، لیکن ان سب کا مجموعہ قوی ہے، لہٰذا ان سب کو ملا کر یہ کہا جا سکتا ہے کہ گیہوں میں نصف صاع دینے کا حکم اللہ کے رسول ہی کی جانب سے ہے، اور ان ہی احادیث کی بنیاد پر علماء حنفیہ نے گیہوں میں سے صرف دو مُد یعنی آدھا صاع کو کافی قرار دیا ہے۔

صاحب حیثیت لوگ توجہ فرمائیں

اگر کسی کو اللہ نے وسعت دی ہو تو بہتر ہے کہ گیہوں کا بھی ایک صاع ہی دیدے، جیسا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جب لوگوں پر وسعت دیکھی تو ان سے فرمایا تھا کہ :"أما إذا وسع اللّٰه فأوسعوا ، أعطوا صاعاً من بر أو غيره" (جب اللہ نے وسعت دی ہے تو تم بھی وسعت کرو، لہٰذا گیہوں اور دوسری چیزوں سے ایک صاع ہی دو)(۲)

(۱) معرفۃ علوم الحدیث:۳۳ (۲) نسائی:۲۵۱۵

لہٰذا صاحب حیثیت لوگوں کو اللہ کی راہ میں خوب خرچ کرتے ہوئے یہ بھی سمجھنا چاہئے کہ اس میں ایک طرف اگر دینے والے کی صلاح وفلاح میں اضافہ، اور آخرت کے لحاظ سے بلندی ہے تو دوسری طرف لینے والے فقراء کا بھی دنیوی اعتبار سے زیادہ فائدہ اوران کے مسائل کا حل ہے۔

اسی کے ساتھ ایک اور گزارش بھی پیش کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے، وہ یہ کہ آجکل کے لحاظ سے گیہوں کی قیمت بلحاظ کھجور کے بہت کم ہے، اور جیسا کہ آپ نے پڑھا ہے احادیث میں کھجور دینے کا بھی ذکر ہے، اس لئے اگر اہل ثروت حضرات عید کی خوشی کے موقعہ پر ذرا سی ہمت کر کے فقراء ومساکین کو ایک صاع کھجور یعنی ساڑھے تین کلو کھجور یا اس کی قیمت دیدیا کریں تو یہ بہت خوب ہوگا، اس سے ایک تو یہ فائدہ ہوگا کہ ایک سنت جاری ہوگی کہ کھجور دینا سنت رسول وسنت صحابہ ہے، دوسرے یہ فائدہ کہ فقراء کا زیادہ بھلا ہوگا۔

صاع کی مقدار کی تحقیق

اب یہ تحقیق کرنا چاہئے کہ صاع کی مقدار کیا ہے؟ اس مسئلہ پر سب سے زیادہ محقق ومفصل رسالہ حضرت مولانا مفتی شفیع صاحبؒ نے ''اوزان شرعیہ'' کے نام سے لکھا ہے جو آپ کے مجموعۂ رسائل ''جواہر الفقہ'' میں شامل ہے اور اس کی بڑے بڑے اکابر علماء نے تقریظ کی اور تعریف فرمائی ہے۔

اس رسالہ میں حضرت مفتی صاحبؒ نے بڑی لمبی بحث فرمائی ہے، اس کا خلاصہ یہ ہے کہ صاع کی مقدار مثقال کے حساب سے تین سیر چھ چھٹانک ہے، اور آدھے صاع کی مقدار ڈیڑھ سیر تین چھٹانک ہے، اور درہم کے حساب

سے صاع کی مقدار تین سیر چھ چھٹانک تین تولہ اور نصف صاع کی مقدار ڈیڑھ سیر تین چھٹانک ڈیڑھ تولہ ہے، اور بحساب مُد صاع کی مقدار ساڑھے تین سیر چھ ماشہ اور نصف صاع کی مقدار پونے دو سیر تین ماشہ ہوتی ہے۔

ان تینوں مقداروں میں تھوڑا تھوڑا فرق ہے، مگر چوں کہ آخری مقدار میں آدھا سیر زیادہ بتایا گیا ہے، اس لیے احتیاط اسی میں ہے کہ صدقۂ فطر میں اسی کے لحاظ سے نکالا جائے، یعنی گیہوں دینا ہو تو پونے دو سیر تین ماشہ کے حساب سے دینا چاہیئے، اسی میں احتیاط ہے اور جو، کھجور وغیرہ دینا ہو تو اس کا دگنا یعنی ساڑھے تین سیر چھ ماشہ دینا چاہیئے۔

صدقۂ فطر کی مقدار گرام کے حساب سے

یہ جو عرض کیا گیا سیر کے حساب سے ہے جو پرانا حساب ہے اور آج کل چوں کہ پرانے پیمانوں اور اوزان کا رواج ختم ہو گیا اور اسی لیے ان کا سمجھنا بھی مشکل ہونے لگا ہے، اس لیے ضروری ہے کہ صدقہ فطر کی مقدار گرام کے حساب سے بھی بیان کر دی جائے۔

یہ بات معلوم و مسلم ہے کہ ایک سیر ۹۳۳ گرام ۱۲۰ ملی گرام کے برابر ہوتا ہے اور ایک ماشہ ۹۷۲ ملی گرام کا ہوتا ہے۔ اس حساب سے پونے دو سیر تین ماشہ کو گراموں میں تبدیل کرنے سے گیہوں کے حساب سے ایک صدقہ فطر کی صحیح مقدار ''ایک کلو ۶۳۵ گرام ۲۷۸ ملی گرام ہوتی ہے'' اور مزید احتیاط کے لیے بہتر ہے کہ ایک کلو ۷۵۰ گرام دیدیا جائے یعنی پونے دو کلو گیہوں یا اس کی قیمت دیدی جائے۔

اگر کوئی اس سے زیادہ دیدے تو جائز ہے، بلکہ جیسا کہ اوپر عرض کیا گیا بہتر و مستحب ہے، البتہ واجب وہی مقدار ہے جس کا ابھی ذکر کیا گیا۔

یہ مقدار تو گیہوں کی بیان کی گئی ہے اور اگر جَو یا کھجور دینا ہو تو اس کا دُگنا (ڈبل) دینا چاہئے، یعنی ساڑھے تین کلو دینا چاہئے، اوران مذکورہ چیزوں کے علاوہ کوئی اور چیز مثلاً چاول دینا ہو تو یا تو پونے دوکلو گیہوں یا ساڑھے تین کلو جو کی قیمت کے برابر چاول وغیرہ دینا چاہئے۔(۱)

صدقہ فطر کا مصرف

صدقۂ فطر کا مصرف کیا ہے؟ صدقۂ فطر ان لوگوں کو دینا چاہئے جن کو زکوۃ دی جاتی ہے، چنانچہ فقہاء کرام نے لکھا ہے کہ: صدقة الفطر كالزكاة في المصارف ". (۲)

لہٰذا فقیر، مسکین ،وغیرہ جو مصارف زکاۃ ہیں انہی کو صدقۂ فطر بھی دینا چاہئے۔البتہ زکوۃ عاملِ زکوۃ کو دینا جائز ہے مگر صدقۂ فطر اس کو دینا جائز نہیں۔(۳)

اور ذمی کافر کو صدقۂ فطر دینے کے بارے میں اختلاف ہے: بعض علماء نے اجازت دی ہے اور یہی امام ابوحنیفہ وامام محمد کا قول ہے اور امام ابو یوسف کہتے ہیں کہ اس کو زکاۃ وصدقات واجبہ کا دینا جائز نہیں ،اور صاحب درمختار نے لکھا ہے کہ فتوی اس پر ہے کہ نہ دینا چاہئے مگر علامہ شامی نے ان سے اس میں اختلاف کیا ہے اور کہا کہ یہ امام ابو یوسف کی ایک روایت ہے اوران کا مشہور قول امام ابوحنیفہ وامام محمد کے موافق ہے، نیز کہا کہ ہدایہ وغیرہ کا کلام یہ بتا تا ہے کہ امام ابوحنیفہ وامام محمد کا قول راجح ہے اور متون بھی اسی پر ہیں۔(۴)

لیکن یاد رہے کہ یہ اختلاف اس کافر کے متعلق ہے جو اسلامی حکومت کے سایہ میں جزیہ دے کر زندگی گزارتا ہے جس کو اصطلاح میں ''ذمی'' کہتے ہیں اور جو ذمی نہ ہو بلکہ دارالحرب کا کافر ہو اس کو دینا کسی کے نزدیک بھی جائز نہیں۔(۵)

---

(۱) امدادالفتاوی (۲) الدرالمختار مع الشامی:۳۶۹/۲، البحرالرائق:۲۷۵/۲ (۳) شامی:۳۶۹/۲
(۴) درمختار مع شامی:۳۵۲/۲ (۵) درمختار مع شامی:۳۵۳/۲

لہٰذا ہندوستان میں رہنے والے کافروں کو نہ دینا چاہئے، ایک تو اس لیے کہ مسئلہ میں اختلاف ہے، دوسرے اس لیے کہ ہندوستان کے کافر ذمی نہیں ہیں۔

اسی طرح سید کو بھی صدقۂ فطر نہ دینا چاہئے؛ کیونکہ یہ صدقات واجبہ زکاۃ کی طرح مال کا میل ہے جو رسول اللہ ﷺ کے خاندان والوں کے لئے جائز نہیں رکھا گیا، البتہ یہ چوں کہ آل رسول ہیں، ان کی مدد ونصرت دوسرے نفلی صدقات بلکہ تحائف وہدایا کے ذریعہ کرنا بہت بڑے ثواب کی بات ہے۔

چند مسائل

(۱) صدقۂ فطر کئی آدمیوں کا ایک فقیر کو دینا بلا کراہت جائز ہے، اور اگر ایک شخص کا صدقۂ فطر کئی فقیروں کو تقسیم کر کے دیا جائے تو اس میں اختلاف ہے اور فتوی اس پر ہے کہ جائز ہے۔(۱)

(۲) صدقۂ فطر میں قیمت کا دینا سب سے بہتر ہے، علماء نے اسی پر فتوی دیا ہے، یہ عام حالات میں ہے لیکن اگر اناج کی قلت وقحط کا دور ہو تو گیہوں وغیرہ اناج دینا افضل ہے۔(۲)

(۳) افضل یہ ہے کہ ان سات قسم کے لوگوں میں صدقہ کو تقسیم کرے: ایک اپنے محتاج بھائی اور بہن، دوسرے بھائی اور بہنوں کی اولاد، تیسرے اپنے محتاج چچا وتایا، چوتھے اپنے محتاج ماموں اور خالہ اور ان کی اولاد، پانچویں پڑوسی، چھٹے اہل محلّہ، ساتویں اہل شہر۔ شیخ ابو حفص کبیر نے فرمایا کہ اس شخص کا صدقہ قبول نہیں ہوتا جس کے اہل قرابت محتاج ہوں جب تک کہ وہ انہی اہل قرابت سے ابتداء نہ کرے اور ان کی حاجت کو پورا نہ کرے۔(۳)

(۱) الدر المختار مع الشامی: ۲/ ۳۶۷، البحر الرائق: ۲/ ۲۷۵ (۲) البحر الرائق: ۲/ ۲۷۴، الدر المختار مع الشامی: ۲/ ۳۶۶ (۳) البحر الرائق: ۲/ ۲۷۵

صدقۂ فطر کی قیمت بازار کے حساب سے لگائی جائے

یہاں پر ایک اہم مسئلہ ذکر کرنا ہے، وہ یہ کہ بڑے شہروں اور قصبات میں لوگوں کی سہولت کے لیے کنٹرول ریٹ پر اناج غلہ دیا جاتا ہے اور اس رعایت کا مستحق وہ ہوتا ہے جس نے راشن کارڈ بنالیا ہو۔ عام بازاری قیمت کے لحاظ سے راشن کارڈ پر دیا جانے والا اناج بہت سستا ہوتا ہے۔

سوال یہ ہے کہ جو لوگ کنٹرول ریٹ پر گیہوں کھاتے ہیں وہ صدقہ فطر اگر قیمت کے لحاظ سے دینا چاہیں تو کیا اسی کنٹرول ریٹ کے حساب سے کافی ہوگا؟ اس مسئلہ پر میں نے اپنی کتاب ''رمضان اور جدید مسائل'' کے نئے ایڈیشن میں کلام کیا ہے۔

اس کا خلاصہ یہ ہے کہ کنٹرول ریٹ پر گیہوں خرید کر گیہوں ہی پونے دوکلو دیدے تو درست ہے، لیکن اگر صدقہ فطر قیمت سے دینا ہو تو عام بازاری قیمت کا اعتبار ہوگا، کنٹرول ریٹ کا اعتبار نہیں؛ کیوں کہ فقیر آدمی اگر اس رقم سے پونے دوکلو گیہوں بازار سے خریدنا چاہے تو نہیں خرید سکتا، بلکہ پونے دوکلو سے کم گیہوں آئیں گے، اور ہر آدمی کے پاس راشن کارڈ ہونا ضروری نہیں اس لیے عام بازار کی قیمت دینا چاہیئے، تاکہ اگر وہ فقیر آدمی بازار سے پونے دوکلو گیہوں خریدنا چاہے تو اس رقم سے خرید سکے۔

فقط

محمد شعیب اللہ خان

مہتمم جامعہ اسلامیہ مسیح العلوم، بنگلور